QuranUrdu.com

تفہیم القرآن

الضُّحیٰ

(۹۳)

QuranUrdu.com

الضُّحیٰ

نام

پہلے ہی لفظ وَالضُّحٰی کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول

اس کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ یہ مکّۂ معظّمہ کے بالکل ابتدائی دَور میں نازل ہوئی ہے۔ روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مدّت تک وحی کے نزول کا سلسلہ بند رہا تھا، جس سے حضورؐ سخت پریشان ہو گئے تھے اور بار بار آپؐ کو یہ اندیشہ لاحق ہو رہا تھا کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسا قصور تو نہیں ہو گیا جس کی وجہ سے میرا رب مجھ سے ناراض ہو گیا ہے اور اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اس پر آپؐ کو اطمینان دلایا گیا کہ وحی کے نزول کا سلسلہ کسی ناراضی کی بنا پر نہیں روکا گیا تھا، بلکہ اس میں وہی مَصلَحت کارفرما تھی جو روزِ روشن کے بعد رات کا سکون طاری کرنے میں کارفرما ہوتی ہے۔ یعنی وحی کی تیز روشنی اگر آپؐ پر برابر پڑتی رہتی تو آپؐ کے اعصاب اسے برداشت نہ کر سکتے، اس لیے بیچ میں وقفہ دیا گیا، تاکہ آپ کو سکون مل جائے۔ یہ کیفیت حضورؐ پر نبوت کے ابتدائی دَور میں گزرتی تھی، جب کہ ابھی آپؐ کو وحی کے نزول کی شدّت برداشت کرنے کی عادت نہیں پڑی تھی، اِس بنا پر بیچ بیچ میں وقفہ دینا ضروری ہوتا تھا۔ اس کی وضاحت ہم سورۂ مُدَّثِّر کے دیباچے میں کر چکے ہیں۔ اور سورۂ مُزَّمِّل، حاشیہ ۵ میں ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ نزولِ وحی کا کس قدر شدید بار آپؐ کے اعصاب پر پڑتا تھا۔ بعد میں جب حضورؐ کے اندر اس بار کو برداشت کرنے کا تحمّل پیدا ہو گیا تو طویل وقفے دینے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

موضوع اور مضمون

اس کا موضوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلّی دینا ہے اور مقصد اُس پریشانی کو دُور کرنا ہے جو نزولِ وحی کا سلسلہ رُک جانے سے آپؐ کو لاحق ہو گئی تھی۔ سب سے پہلے روزِ روشن اور سکونِ شب کی قسم کھا کر آپؐ کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ آپؐ کے رب نے آپؐ کو ہرگز نہیں چھوڑا ہے اور نہ وہ آپؐ سے ناراض ہوا ہے۔ اس کے بعد آپؐ کو خوشخبری دی گئی ہے کہ دعوتِ اسلامی کے ابتدائی دَور میں جن شدید مشکلات سے آپؐ کو سابقہ پیش آ رہا ہے، یہ تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ آپؐ کے لیے ہر بعد کا دَور پہلے دَور سے بہتر ہوتا چلا جائے گا اور کچھ زیادہ دیر نہ گزرے گی کہ اللہ تعالیٰ آپؐ پر اپنی عطا و بخشش کی ایسی بارش کرے گا جس سے آپؐ خوش ہو جائیں گے۔ یہ قرآن کی اُن صریح پیشین گوئیوں میں سے ایک ہے جو بعد میں حرف بحرف پوری ہوئیں، حالانکہ جس وقت یہ پیشین گوئی کی گئی تھی اُس وقت کہیں دُور دُور بھی اِس کے آثار نظر نہ آتے تھے کہ مکہ میں جو بے یار و مددگار انسان پوری قوم کی جاہلیت کے مقابلے میں برسرِ پیکار ہو گیا ہے،

QuranUrdu.com

اُسے اِتنی حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوگی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ تمھیں یہ پریشانی کیسے لاحق ہوگئی کہ ہم نے تمھیں چھوڑ دیا ہے اور ہم تم سے ناراض ہوگئے ہیں۔ ہم تو تمھارے روزِ پیدائش سے مسلسل تم پر مہربانیاں کرتے چلے آ رہے ہیں۔ تم یتیم پیدا ہوئے تھے، ہم نے تمھاری پرورش اور خبر گیری کا بہترین انتظام کر دیا۔ تم ناواقفِ راہ تھے، ہم نے تمھیں راستہ بتایا۔ تم نادار تھے، ہم نے تمھیں مال دار بنایا۔ یہ ساری باتیں صاف بتا رہی ہیں کہ تم ابتدا سے ہمارے منظورِ نظر ہو اور ہمارا فضل و کرم مستقل طور پر تمھارے شاملِ حال ہے۔ اس مقام پر سورۂ طٰہٰ، آیات ۳۷ تا ۴۲ کو بھی نگاہ میں رکھا جائے جہاں حضرت موسیٰؑ کو فرعون جیسے جبّار کے مقابلے میں بھیجتے وقت اللہ تعالیٰ نے اُن کی پریشانی دُور کرنے کے لیے انھیں بتایا ہے کہ کس طرح تمھاری پیدائش کے وقت سے ہماری مہربانیاں تمھارے شاملِ حال رہی ہیں، اس لیے تم اطمینان رکھو کہ اس خوفناک مہم میں تم اکیلے نہ ہوگے بلکہ ہمارا فضل تمھارے ساتھ ہوگا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا ہے کہ جو احسانات ہم نے تم پر کیے ہیں، ان کے جواب میں خلقِ خدا کے ساتھ تمھارا کیا برتاؤ ہونا چاہیے، اور ہماری نعمتوں کا شکر تمھیں کس طرح ادا کرنا چاہیے۔

QuranUrdu.com

آیاتہا ۱۱ — سُوْرَۃُ الضُّحٰی مَکِّیَّۃٌ — رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ الضُّحٰی ۙ﴿۱﴾ وَ الَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰی ؕ﴿۳﴾ وَ
لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ؕ﴿۴﴾ وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ؕ﴿۵﴾

قسم ہے روزِ روشن کی[1] اور رات کی جب کہ وہ سکون کے ساتھ طاری ہو جائے[2] (اے نبیؐ!) تمھارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا[3]۔ اور یقیناً تمھارے لیے بعد کا دَور پہلے دَور سے بہتر ہے[4]، اور عنقریب تمھارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے[5]۔

---

۱ – یہاں لفظ ضُحٰی رات کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے، اس لیے اِس سے مراد روزِ روشن ہے۔ اِس کی نظیر سورۂ اَعراف کی یہ آیات ہیں: اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّ هُمْ نَآىِٕمُوْنَ ؕ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّ هُمْ یَلْعَبُوْنَ (۹۷-۹۸) ”کیا بستیوں کے لوگ اِس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آ جائے، جب کہ وہ سو رہے ہوں؟ اور کیا بستیوں کے لوگ اِس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن دہاڑے آ جائے، جب کہ وہ کھیل رہے ہوں؟“ اِن آیات میں بھی چونکہ ضُحٰی کا لفظ رات کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے، اس لیے اس سے مراد چاشت کا وقت نہیں بلکہ دن ہے۔

۲ – اِصل میں رات کے لیے لفظ سَجٰی استعمال ہوا ہے، جس میں صرف تاریکی چھا جانے ہی کا نہیں بلکہ سکوت اور سکون طاری ہو جانے کا مفہوم بھی شامل ہے۔ رات کی اِس صفت کا اُس مضمون سے گہرا تعلق ہے جو آگے بیان ہو رہا ہے۔

۳ – روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مدّت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول بند رہا تھا۔ مختلف روایات میں یہ مدّت مختلف بیان کی گئی ہے۔ ابنِ جُرَیج نے ۱۲ روز، کَلبی نے ۱۵ روز، ابنِ عباسؓ نے ۲۵ روز، سُدّی اور مُقاتِل نے ۴۰ روز اس کی مدّت بیان کی ہے۔ بہرحال یہ زمانہ اِتنا طویل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اِس پر سخت غمگین ہو گئے تھے اور مخالفین بھی آپؐ کو طعنے دینے لگے تھے، کیونکہ حضورؐ پر جو نئی سورت نازل ہوتی تھی اسے آپؐ لوگوں کو سنایا کرتے تھے، اس لیے جب اچھی خاصی مدت تک آپؐ نے کوئی نئی وحی لوگوں کو نہیں سنائی تو مخالفین نے سمجھ لیا کہ وہ سرچشمہ بند ہو گیا ہے جہاں سے یہ کلام آتا تھا۔ جُندُب بن عبداللہ البَجَلی کی روایت ہے کہ جب جبریل علیہ السلام کے آنے کا سلسلہ رک گیا تو مشرکین نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اُن کے رب نے چھوڑ دیا ہے۔ (ابنِ جریر، طَبَرانی، عبد بن حُمَید، سعید بن منصور، ابنِ مَردُوْیَہ) دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابولہب کی بیوی اُمِّ جمیل نے، جو حضورؐ کی چچی ہوتی تھی اور جس کا گھر حضورؐ کے مکان سے مُتّصِل تھا، آپؐ سے کہا: ”معلوم ہوتا ہے کہ تمھارے شیطان نے تمھیں چھوڑ دیا

QuranUrdu.com

ہے۔" عَوْفی اور ابنِ جَرِیر نے ابنِ عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ کئی روز تک جبریلؑ کی آمد رُک جانے سے حضوؐر پریشان ہوگئے اور مشرکین کہنے لگے کہ ان کا رب ان سے ناراض ہوگیا ہے اور اس نے انھیں چھوڑ دیا ہے۔ قَتَادَہ اور ضَحّاک کی مُرسَل روایات میں بھی قریب قریب یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ اِس صورتِ حال میں حضورؐ کے شدید رنج و غم کا حال بھی متعدّد روایات میں آیا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا، جب کہ محبوب کی طرف سے بظاہر عَدَمِ التفات، کفر و ایمان کے درمیان جنگ چھڑ جانے کے بعد اُسی ذریعۂ طاقت سے بظاہر محرومی جو اس جاں گُسل کش مکش کے منجدھار میں آپؐ کے لیے واحد سہارا تھا، اور اُس پر مزید دشمنوں کی شَماتت، یہ ساری چیزیں مل جُل کر لامحالہ حضورؐ کے لیے سخت پریشانی کی مُوجب ہو رہی ہوں گی اور آپؐ کو بار بار یہ شبہ گزرتا ہوگا کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسا قصور تو نہیں ہوگیا ہے کہ میرا رب مجھ سے ناراض ہوگیا ہو اور اس نے مجھے حق و باطل کی اِس لڑائی میں تنہا چھوڑ دیا ہو۔

اِسی کیفیّت میں یہ سورت حضورؐ کو تسلّی دینے کے لیے نازل ہوئی۔ اِس میں دن کی روشنی اور رات کے سکون کی قسم کھا کر حضورؐ سے فرمایا گیا کہ تمھارے رب نے نہ تمھیں چھوڑ دیا ہے اور نہ وہ تم سے ناراض ہوا ہے۔ اِس بات پر ان دونوں چیزوں کی قسم جس مناسبت سے کھائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ جس طرح دن کا روشن ہونا اور رات کا تاریکی اور سکون لیے ہوئے چھا جانا کچھ اس بنا پر نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ دن کے وقت لوگوں سے خوش اور رات کے وقت اُن سے ناراض ہو جاتا ہے، بلکہ یہ دونوں حالتیں ایک عظیم حکمت و مَصْلَحَت کے تحت طاری ہوتی ہیں، اُسی طرح تم پر کبھی وحی بھیجنا اور کبھی اُس کو روک لینا بھی حکمت و مَصْلَحَت کی بنا پر ہے، اِس کا کوئی تعلق اِس بات سے نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہو تو وحی بھیجے، اور جب وہ وحی نہ بھیجے تو اس کے معنٰی یہ ہوں کہ وہ تم سے ناخوش ہے اور اس نے تمھیں چھوڑ دیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری مناسبت اِس مضمون سے اِس قسم کی یہ ہے کہ جس طرح دن کی روشنی اگر مسلسل آدمی پر طاری رہے تو وہ اسے تھکا دے، اس لیے ایک وقتِ خاص تک دن کے روشن رہنے کے بعد رات کا آنا ضروری ہے تاکہ اس میں انسان کو سکون ملے، اُسی طرح وحی کی روشنی اگر تم پر پے در پے پڑتی رہے تو تمھارے اعصاب اس کو برداشت نہ کر سکیں گے، اس لیے وقتاً فوقتاً فَتْرَۃ (نزولِ وحی کا سلسلہ رُک جانے) کا ایک زمانہ بھی اللہ تعالیٰ نے مَصلَحت کی بنا پر رکھا ہے، تاکہ وحی کے نزول سے جو بار تم پر پڑتا ہے اس کے اثرات زائل ہو جائیں اور تمھیں سکون حاصل ہو جائے۔ گویا آفتابِ وحی کا طُلوع بمنزلۂ روزِ روشن ہے اور زمانۂ فَتْرَۃ بمنزلۂ سکونِ شب۔

۴ - یہ خوش خبری اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت میں دی تھی جب کہ چند مٹھی بھر آدمی آپؐ کے ساتھ تھے، ساری قوم آپؐ کی مخالف تھی، بظاہر کامیابی کے آثار دُور دُور کہیں نظر نہ آتے تھے، اسلام کی شمع مکہ ہی میں ٹمٹما رہی تھی اور اسے بُجھا دینے کے لیے ہر طرف طوفان اُٹھ رہے تھے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے فرمایا کہ ابتدائی دَور کی مشکلات سے آپؐ ذرا پریشان نہ ہوں۔ ہر بعد کا دَور پہلے دَور سے آپؐ کے لیے بہتر ثابت ہوگا۔ آپؐ کی قوت، آپؐ کی عزت و شوکت اور آپؐ کی قدر و منزلت برابر بڑھتی چلی جائے گی اور آپؐ کا نفوذ و اثر پھیلتا چلا جائے گا۔ پھر یہ وعدہ صرف دنیا ہی تک محدود نہیں ہے، اِس میں یہ وعدہ بھی شامل ہے کہ آخرت میں جو مرتبہ آپؐ کو ملے گا، وہ اُس مرتبے سے بھی بدرجہا بڑھ کر ہوگا جو

QuranUrdu.com

اَلَمۡ یَجِدۡكَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ۞۶ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۞۷

کیا اُس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟[۶] اور تمھیں ناواقفِ راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی۔[۷]

دنیا میں آپؐ کو حاصل ہوگا۔ طَبَرانی نے اَوسَط میں اور بَیْہقی نے دلائل میں ابنِ عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: ''میرے سامنے وہ تمام فتوحات پیش کی گئیں جو میرے بعد میری اُمّت کو حاصل ہونے والی ہیں۔ اِس پر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا کہ آخرت تمھارے لیے دنیا سے بھی بہتر ہے۔''

۵ – یعنی اگرچہ دینے میں کچھ دیر تو لگے گی، لیکن وہ وقت دُور نہیں ہے جب تم پر تمھارے رب کی عطا و بخشش کی وہ بارش ہوگی کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ یہ وعدہ حضورؐ کی زندگی ہی میں اِس طرح پورا ہوا کہ سارا ملکِ عرب جنوب کے سواحل سے لے کر شمال میں سلطنتِ روم کی شامی اور سلطنتِ فارس کی عراقی سرحدوں تک، اور مشرق میں خلیجِ فارس سے لے کر مغرب میں بحرِ اَحمر تک آپؐ کے زیرِ نگیں ہوگیا، عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ سرزمین ایک قانون اور ضابطہ کی تابع ہوگئی، جو طاقت بھی اِس سے ٹکرائی وہ پاش پاش ہو کر رہ گئی، کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ سے وہ پورا ملک گونج اُٹھا جس میں مشرکین اور اہلِ کتاب اپنے جھوٹے کلمے بلند رکھنے کے لیے آخری دَم تک ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، لوگوں کے صرف سر ہی اطاعت میں نہیں جُھک گئے بلکہ ان کے دل بھی مسخّر ہو گئے اور عقائد، اخلاق اور اعمال میں ایک انقلابِ عظیم برپا ہو گیا۔ پوری انسانی تاریخ میں اِس کی نظیر نہیں ملتی کہ ایک جاہلیت میں ڈوبی ہوئی قوم صرف ۲۳ سال کے اندر اتنی بدل گئی ہو۔ اِس کے بعد حضورؐ کی برپا کی ہوئی تحریک اِس طاقت کے ساتھ اُٹھی کہ ایشیا، افریقا اور یورپ کے ایک بڑے حصّے پر وہ چھا گئی اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے اثرات پھیل گئے۔ یہ کچھ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دنیا میں دیا، اور آخرت میں جو کچھ دے گا اس کی عظمت کا تصوّر بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ (نیز دیکھو، جلد سوم، طٰہٰ، حاشیہ ۱۱۲)

۶ – یعنی تمھیں چھوڑ دینے اور تم سے ناراض ہو جانے کا کیا سوال، ہم تو اُس وقت سے تم پر مہربان ہیں جب تم یتیم پیدا ہوئے تھے۔ حضورؐ ابھی بطنِ مادر ہی میں چھ مہینے کے تھے جب آپؐ کے والدِ ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اس لیے آپؐ دنیا میں یتیم ہی کی حیثیت سے تشریف لائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایک دن بھی آپؐ کو بے سہارا نہ چھوڑا۔ چھ سال کی عمر تک والدہ ماجدہ آپؐ کی پرورش کرتی رہیں۔ ان کی شفقت سے محروم ہوئے تو ۸ سال کی عمر تک آپؐ کے جدِّ اَمجد نے آپؐ کو اس طرح پالا کہ ان کو نہ صرف آپؐ سے غیر معمولی مَحبّت تھی بلکہ اُن کو آپؐ پر فخر تھا اور وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا ایک دن دنیا میں بڑا نام پیدا کرے گا۔ اُن کا بھی انتقال ہو گیا تو آپؐ کے حقیقی چچا ابو طالب نے آپؐ کی کفالت اپنے ذمّے لی اور آپؐ کے ساتھ ایسی مَحبّت کا برتاؤ کیا کہ کوئی باپ بھی اس سے زیادہ نہیں کر سکتا، حتّٰی کہ نبوت کے بعد جب ساری قوم آپؐ کی دشمن ہو گئی تھی، اس وقت دس سال تک وہی آپؐ کی حمایت میں سینہ سپر رہے۔

۷ – اصل میں لفظ ضَآلًّا استعمال ہوا ہے، جو ضلالت سے ہے۔ عَرَبی زبان میں یہ لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے ایک معنٰی گمراہی کے ہیں۔ دوسرے معنٰی یہ ہیں کہ کوئی شخص راستہ نہ جانتا ہو اور ایک جگہ حیران کھڑا ہو کہ

QuranUrdu.com

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى ﴿٨﴾ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿٩﴾ وَأَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١٠﴾ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾ ع

ع ۱۱ ۱۸

اور تمھیں نادار پایا اور پھر مال دار کر دیا۔[8] لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو،[9] اور سائل کو نہ جِھڑکو،[10] اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو۔[11] ع

مختلف راستے جو سامنے ہیں اِن میں سے کدھر جاؤں۔ ایک اور معنیٰ کھوئے ہوئے کے ہیں، چنانچہ عَرَبی محاورے میں کہتے ہیں: ضَلَّ الْمَآءُ فِی اللَّبَنِ، پانی دودھ میں گُم ہوگیا۔ اُس درخت کو بھی عربی میں ضَالّہ کہتے ہیں جو صحرا میں اکیلا کھڑا ہو اور آس پاس کوئی دوسرا درخت نہ ہو۔ ضائع ہونے کے لیے بھی ضلال کا لفظ بولا جاتا ہے، مثلاً کوئی چیز ناموافق اور ناسازگار حالات میں ضائع ہو رہی ہو۔ غفلت کے لیے بھی ضلال کا لفظ استعمال ہوتا ہے، چنانچہ خود قرآنِ مجید میں اس کی مثال موجود ہے کہ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى ۝ (طٰہٰ: ۵۲) ''میرا رب نہ غافل ہوتا ہے نہ بھولتا ہے۔'' اِن مختلف معنوں میں سے پہلے معنیٰ یہاں چسپاں نہیں ہوتے، کیونکہ بچپن سے قبلِ نبوت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حالات تاریخ میں موجود ہیں، ان میں کہیں اِس بات کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا کہ آپؐ کبھی بت پرستی، شرک یا دہریّت میں مبتلا ہوئے ہوں، یا جاہلیت کے جو اعمال، رُسوم اور طور طریقے آپؐ کی قوم میں پائے جاتے تھے اُن میں سے کسی میں آپؐ مُلَوَّث ہوئے ہوں۔ اس لیے لامحالہ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا کے یہ معنیٰ تو نہیں ہوسکتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عقیدے یا عمل کے لحاظ سے گمراہ پایا تھا۔ البتہ باقی معنیٰ کسی نہ کسی طور پر یہاں مراد ہوسکتے ہیں، بلکہ ہوسکتا ہے کہ ایک ایک اعتبار سے سب مراد ہوں۔ نبوت سے پہلے حضوؐر، اللہ کی ہستی اور اس کی وحدانیّت کے قائل تو ضرور تھے، اور آپؐ کی زندگی گناہوں سے پاک اور فضائلِ اخلاق سے آراستہ بھی تھی، لیکن آپؐ کو دینِ حق اور اس کے اُصول اور احکام کا علم نہ تھا، جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے: مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيمَانُ (الشُّوریٰ، آیت ۵۲) ''تم نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور نہ ایمان کی تمھیں کوئی خبر تھی۔'' یہ معنیٰ بھی اس آیت کے ہوسکتے ہیں کہ حضوؐر ایک جاہلی معاشرے میں گُم ہو کر رہ گئے تھے اور ایک ہادی و رہبر ہونے کی حیثیت سے آپؐ کی شخصیت نبوت سے پہلے نمایاں نہیں ہو رہی تھیں۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جاہلیّت کے صحرا میں آپؐ ایک اکیلے درخت کی حیثیت سے کھڑے تھے، جس میں پھل لانے اور ایک پورا باغ کا باغ پیدا کر دینے کی صلاحیت تھی مگر نبوت سے پہلے یہ صلاحیت کام نہیں آ رہی تھی۔ یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو غیر معمولی قوتیں آپؐ کو عطا کی تھیں، وہ جاہلیّت کے ناسازگار ماحول میں ضائع ہو رہی تھیں۔ ضلال کو غفلت کے معنیٰ میں بھی لیا جاسکتا ہے، یعنی آپؐ اُن حقائق اور عُلوم سے غافل تھے جن سے نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو آگاہ فرمایا۔ یہ بات خود قرآن میں بھی ایک جگہ ارشاد ہوئی ہے: وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِينَ ۝ (یوسف: ۳) ''اور اگرچہ تم اِس سے پہلے اِن باتوں سے غافل تھے۔'' (نیز مُلاحظہ ہو: البقرہ، آیت ۲۸۲، اور الشعراء، آیت ۲۰)

۸ — نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپؐ کے والد ماجد نے میراث میں صرف ایک اُونٹنی اور ایک لونڈی چھوڑی تھی۔

QuranUrdu.com

اس طرح آپؐ کی زندگی کی ابتدا اِفلاس کی حالت میں ہوئی تھی۔ پھر ایک وقت آیا کہ قُریش کی سب سے زیادہ مال دار خاتون، حضرت خَدِیجہؓ نے پہلے تجارت میں آپؐ کو اپنے ساتھ شریک کیا، اس کے بعد انھوں نے آپؐ سے شادی کر لی اور ان کے تمام تجارتی کاروبار کو آپؐ نے سنبھال لیا۔ اس طرح آپؐ نہ صرف یہ کہ مال دار ہوگئے، بلکہ آپؐ کی مال داری اِس نوعیت کی نہ تھی کہ محض بیوی کے مال پر آپؐ کا انحصار ہو۔ ان کی تجارت کو فروغ دینے میں آپؐ کی اپنی محنت و قابلیت کا بڑا حصّہ تھا۔

۹ – یعنی تم چونکہ خود یتیم رہ چکے ہو، اور اللہ نے تم پر یہ فضل فرمایا کہ یتیمی کی حالت میں بہترین طریقے سے تمھاری دستگیری کی، اس لیے اس کا شکرانہ یہ ہے کہ تمھارے ہاتھ سے کبھی کسی یتیم پر ظلم اور زیادتی نہ ہونے پائے۔

۱۰ – اِس کے دو معنیٰ ہیں۔ اگر سائل کو مدد مانگنے والے حاجت مند کے معنیٰ میں لیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی مدد کر سکتے ہو تو کر دو، نہ کر سکتے ہو تو نرمی کے ساتھ معذرت کر دو، مگر بہرحال اُسے جھڑکو نہیں۔ اِس معنیٰ کے لحاظ سے یہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے اِس احسان کے جواب میں ہے کہ ”تم نادار تھے، پھر اُس نے تمھیں مال دار کر دیا۔“ اور اگر سائل کو پوچھنے والے، یعنی دین کا کوئی مسئلہ یا حکم دریافت کرنے والے کے معنیٰ میں لیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص خواہ کیسا ہی جاہل اور اُجڈ ہو، اور بظاہر خواہ کتنے ہی نامعقول طریقے سے سوال کرے یا اپنے ذہن کی اُلجھن پیش کرے، بہرحال شفقت کے ساتھ اُسے جواب دو اور علم کا زَعم رکھنے والے بدمزاج لوگوں کی طرح اُسے جھڑک کر دُور نہ بھگا دو۔ اِس معنیٰ کے لحاظ سے یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے اِس احسان کے جواب میں ہے کہ ”تم ناواقفِ راہ تھے، پھر اُس نے تمھیں ہدایت بخشی۔“ حضرت ابوالدَّرداءؓ، حَسَن بصریؒ، سُفیانؒ ثَوری اور بعض دوسرے بزرگوں نے اِسی دوسرے معنیٰ کو ترجیح دی ہے، کیونکہ ترتیبِ کلام کے لحاظ سے یہ ارشاد وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى کے جواب میں آتا ہے۔

۱۱ – نعمت کا لفظ عام ہے، جس سے مراد وہ نعمتیں بھی ہیں جو اس سورہ کے نزول کے وقت تک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ پاک کو عطا فرمائی تھیں، اور وہ نعمتیں بھی جو بعد میں اُس نے اپنے اُن وعدوں کے مطابق آپؐ کو عطا کیں جو اِس سورہ میں اُس نے کیے تھے اور جن کو اُس نے بدرجۂ اَتم پورا کیا۔ پھر حکم یہ ہے کہ اے نبیؐ! ہر نعمت جو اللہ نے تم کو دی ہے، اُس کا ذکر اور اُس کا اظہار کرو۔ اب یہ ظاہر بات ہے کہ نعمتوں کے ذکر و اظہار کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں اور ہر نعمت اپنی نوعیت کے لحاظ سے اظہار کی ایک خاص صورت چاہتی ہے۔ مجموعی طور پر تمام نعمتوں کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ زبان سے اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور اِس بات کا اقرار و اعتراف کیا جائے کہ جو نعمتیں بھی مجھے حاصل ہیں، یہ سب اللہ کا فضل و احسان ہیں، ورنہ کوئی چیز بھی میرے کسی ذاتی کمال کا نتیجہ نہیں ہے۔ نعمتِ نبوّت کا اظہار اِس طریقے سے ہو سکتا ہے کہ دعوت و تبلیغ کا حق ادا کیا جائے۔ نعمتِ قرآن کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ لوگوں میں زیادہ سے زیادہ اُس کی اشاعت کی جائے اور اس کی تعلیمات لوگوں کے ذہن نشین کی جائیں۔ نعمتِ ہدایت کا اظہار اِسی طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کی بھٹکی ہوئی مخلوق کو سیدھا راستہ بتایا جائے اور اس کام کی ساری تلخیوں اور ترشیوں کو صبر کے ساتھ برداشت کیا جائے۔ یتیمی میں دستگیری کا جو احسان اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، اس کا تقاضا یہی ہے کہ یتیموں کے ساتھ ویسے ہی احسان کا سلوک کیا جائے۔ نادار سے مال دار بنا دینے کا جو احسان اللہ نے کیا، اس کا اظہار یہی صورت چاہتا ہے کہ اللہ کے محتاج بندوں کی مدد کی جائے۔ غرض یہ ایک بڑی جامع ہدایت تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات و احسانات بیان کرنے کے بعد اس مختصر سے فقرے میں اپنے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔